ڈاکٹر فوزیہ پروین

کلاسیکی ادب کا ایک ممتاز محقق

(افسر امروہوی)

امروہہ کہنے کو تو ایک چھوٹا سا شہر ہے لیکن اس کے ہر محلے، ہر گلی اور ہر کوچہ و بازار کا کلچر، رہن سہن، رسم و رواج اور اندازِ بیان اپنی جگہ منفرد نظر آتا ہے۔ تاریخی حوالوں میں امروہہ بستی کے تین نام ملتے ہیں عزیز پور، امروہہ، ولایت امروہہ۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ اس بستی کے گرد آموں کے باغات بکثرت پائے جاتے ہیں اس لیے اس بستی کا نام امروہہ پڑ گیا گو کہ امروہہ پاک و ہند کے مسلمانوں کا ایک بہت بڑا تہذیبی مرکز رہا ہے۔ لیکن اس شہر کی بنیاد کی اصل وجہ کا تاریخ کی کتابوں میں ذکر نہیں ملتا۔ اور جو تذکرے ملتے ہیں۔ ان میں مورخین کی آرا میں اختلافات پایا جاتا ہے۔

ہندوستان کی قدیم ترین بستیوں میں امروہہ کو ڈھائی ہزار سال پرانی بستی بتایا جاتا ہے۔ عموماً ہندوستان کی قدیم بستیوں کی تاریخ ملتی ہے، یعنی یہ کہ ان کی بنیاد کب پڑی اور کس نے رکھی، لیکن افسوس کہ امروہہ کی وجہ تسمیہ اور اس کی بنیاد کا زمانہ بڑی حد تک پردۂ اِخفا میں ہے۔ اس بارے میں روایت یہ ہے کہ راجہ پرتھوی سنگھ کی بہن امبارانی نے اسے آباد کیا، کچھ مورخین کہتے ہیں کہ اس بستی کے اردگرد آموں کے باغات بکثرت پائے جاتے ہیں اسی لیے اس بستی کا نام امروہہ پڑ گیا اور کچھ مصنفین یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک سنسکرت لفظ ''امرونم'' سے ''امروہہ'' مشتق ہے۔[1]

اس بستی کی قدامت کے سلسلے میں فیضان علی نقوی رقم طراز ہیں:

> ''یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ مسلمان تاجوروں سے بہت پہلے کی یہ بستی ہے۔ اس قدیم بستی نے بہت سے بادشاہوں، راجاؤں، امراء اور حکمرانوں کا دور دیکھا ہے۔ بدلتے ہوئے حالات کو انقلابات کو، اپنے سپوتوں کے عروج کو، زوال کو کھلی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ہزار ہا داستانیں اس شہر کی دھرتی کے سینے میں پنہاں ہیں۔''[2]

امروہہ دہلی کی بجانب شرق ۸۱ میل مراد آباد سے بجانب غرب ۱۹ میل پر واقع ہے۔ ۶۲ میل شمال میں اس کے ہمالیہ پہاڑ ہے۔ سنہ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے مطابق امروہہ کی کل آبادی چالیس ہزار چار سو اڑتالیس تھی جن میں انتیس ہزار پانچ سو ساٹھ مسلمان، دس ہزار ایک سو اٹھتر ہندو اور سات سو گیارہ

عیسائی وغیرہ تھے۔ سنہ ۱۹۹۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی کل آبادی ایک لاکھ چھتیس ہزار آٹھ سو بیانوے افراد پر مشتمل ہے جس میں ۶۵ فیصد مسلمان اور باقی ۳۵ فیصد ہندو اور دوسری اقوام ہیں۔ سنہ ۱۹۹۷ء کو امروہہ کو ضلع کا درجہ دیا گیا۔ اس طرح امروہہ صوبہ اُتر پردیش کا ۷۰ واں ضلع بن گیا۔ [۳]

امروہہ کی ثقافت اور ادبی روایات:

امروہہ ایک ایسی بستی ہے جہاں ہندو، مسلم، سکھ اور عیسائی سب ہی مذاہب کے لوگ صدیوں سے آباد ہیں۔ یہاں تمام مذاہب کے ماننے والے اس قدر پیار و محبت سے رہتے ہیں کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ سب ایک دوسرے کے مذہب کا بڑا احترام کرتے ہیں اور کسی قسم کا کوئی جھگڑا فساد نہیں ہوتا۔ امروہہ میں رمضان المبارک کا بھی بڑا احترام کیا جاتا ہے، قابل ذکر بات یہ ہے کہ رمضان المبارک میں ہندو بھی اپنے گھروں میں روزہ افطار کراتے ہیں۔ یہاں ایسے ہندو شاعر بھی ہیں جو حضور ﷺ کی شان میں نعتیں بھی پڑھتے ہیں۔ اتنے مختلف مذاہب کے لوگوں کا اتنی محبت و پیار سے رہنا اس شہر کے علاوہ کہیں نہیں ملتا۔ بعض اوقات تو یہاں کے لوگوں کو پہچاننا بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ کس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ واقعی اگر یہ کہا جائے کہ تہذیب و تمدن اور ثقافت میں امروہہ اپنا اعلیٰ اور ایک منفرد مقام رکھتا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ [۴]

امروہہ کی مصنوعات کے سلسلے میں محمد احمد عباسی لکھتے ہیں:

> ''امروہہ کی مصنوعات میں مٹی کے برتن، بلچہ کا پلنگ، رتھ، بہلی، ڈھولک اور پتیاں، قالین سازی کشتی نما ٹوپیاں مشہور تھیں۔ مٹی کے برتن تحفتاً دور دور بھیجے جاتے تھے۔ امروہہ کے روساء ''صاحبانِ عالی شان'' کو یہ برتن تحفے میں بھیجا کرتے تھے۔'' [۵]

امروہہ علم و ادب اور فنون لطیفہ بالخصوص شعر و شاعری کا گہوارہ رہا ہے۔ یہاں بڑے بڑے باکمال اور نامور شعرا پیدا ہوئے ہیں، جنھوں نے غزل، قصیدہ، مرثیہ، نعت، مثنوی غرض ہر صنفِ شاعری میں اپنا اور اپنے وطن کا نام روشن کیا۔

امروہہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ امروہہ کی فضا ہمیشہ شعری و ادبی ہی رہی۔ امروہہ کی محافل، مجالس، ادبی و شعری نشستوں اور مختلف جلسوں میں دوسرے شہروں سے بھی شعرا و ادبا شرکت کیا کرتے تھے جیسے دہلی دبستان کے قدیم شاعر مرزا مظہر جانِ جاناں دہلی سے امروہہ تشریف لاتے اور امروہہ کے ایک مدرسے میں قیام کیا کرتے۔ شعرا شاعری کی نسبت ایک دوسرے کو صلاح و مشورہ بھی دیا کرتے تھے۔

امروہہ میں شاعری کا موضوع زیادہ تر مذہبی رہا۔ جیسے حمد، نعت، منقبت، قصیدہ، مناقب، مناجات، سلام، نوحہ، ماتم اور مرثیہ وغیرہ۔ امروہہ کے تخلیق کاروں میں اکثریت چوں کہ شعرا کی تھی جس میں

کافی تعداد مرثیہ نگاروں کی رہی ہے۔اس لحاظ سے امروہہ کو لکھنؤ کے بعد دوسرے اسکول سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مولانا حکیم منظور احمد صدیقی افسر امروہوی کی ولادت امروہہ کے ایک قدیم و معزز صدیقی گھرانے میں ۳ر رجب المرجب ۱۳۱۴ھ مطابق ۹ر دسمبر ۱۸۹۶ء بروز چہار شنبہ واقع ہوئی۔افسر امروہوی کے جدِ محترم مولوی رحیم بخش صدیقی مرحوم نے اپنے دیرینہ دوست کے والد مرحوم کے حقیقی پھوپا حافظ مظہر علی انصاری سے موصوف کا تاریخی نام رکھنے کی درخواست کی چنانچہ انھوں نے ان کا نام ''منظور حسن'' رکھا لیکن انہوں نے سن شعور کو پہنچنے کے بعد ''حسن'' پر ''احمد'' کو ترجیح دی اور ''منظور احمد'' کرلیا جو ان کی تمام اسناد و کتب میں استعمال ہوتا رہا ہے۔۶ جب کہ افسر تخلص کرتے تھے۔ثابت ہوا کہ تاریخی نام نہ منظور حسن تھا نہ منظور حسین محض تجویز کردہ نام تھے اس لیے بدل کر منظور احمد کرلیا گیا۔

افسر امروہوی کو سرزمین سندھ سے لگاؤ تھا کہ ۱۹۲۷ء کو کراچی ہجرت کی اور یہاں آنے کے بعد پھر کہیں نہیں گئے۔سندھ میں اُن کی آمد اُردو کی ترقی و ترویج کے حق میں فال نیک ثابت ہوئی،وہ خود فرماتے ہیں۔

زمینِ سندھ سے نسبت تھی کیا مجھے افسر
خدا نے بھیج دیا خدمت زباں کے لیے

نام و نمود اور شہرت کی ان کو قطعی پروا نہیں تھی۔ وہ اردو کے خدمت گزار کی حیثیت سے کام کرنا چاہتے تھے چنانچہ جب پاکستان قائم ہوا اور مولوی عبدالحق نے کراچی آکر بعض اور دوستوں کے تعاون سے انجمن ترقی اردو کی بنیاد رکھی تو افسر امروہوی اس سے وابستہ ہوگئے۔اور بڑی محنت اور لگن سے مخطوطات انجمن ترقی اردو کی آٹھ جلدیں مرتب کیں۔اس کے بعد ''تذکرۂ عروس الاذکار''،''تذکرہ مدائح شعرا'' اور قدیم ترین مراثی کا ایک مجموعہ ''بیاضِ مراثی'' کے عنوان سے مرتب و مدون کیا۔ساتھ ہی خاندان انیس کے شعرا کے حالات 'فیضان انیس اور تلامذہ دبیر کے حالات' گلستانِ ضمیر کے عنوان سے لکھے،شعرائے برہان پور کا ایک تذکرہ بھی مرتب کیا۔

ان کے مضامین ''نگار لکھنؤ''، ''ادب لطیف''، ''نیرنگ خیال''، لاہور میں شائع ہوتے رہے ''معارف'' اعظم گڑھ میں بھی علمی و ادبی تحقیقی مضامین شائع ہوئے۔سب سے زیادہ مضامین ماہنامہ ''قومی زبان'' کراچی اور سہ ماہی ''اردو'' میں شائع ہوئے ہیں۔خمخانۂ جاوید جلد پنجم میں صدیقی کے تخلص سے کلام شائع ہوا۔سنہ ۱۹۶۰ء کی دہائی سے انجمن ترقی اردو پاکستان' کراچی سے تاحیات وابستہ رہے۔اس دوران ساری توجہ ادبی تحقیق پر مرکوز رہی اور شعر و شاعری کو تقریباً خیر باد کہہ دیا تھا۔ ۷

افسر امروہوی کا نام ادبی دنیا میں کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔صوبہ سندھ میں ان کی انتھک

کوششوں نے ادب اردو کو پروان چڑھنے میں بے حد مدد دی ہے۔ انجمن ترقی اردو کراچی کی تاریخ میں جن تین ہستیوں کو امتیازی درجہ حاصل ہے وہ حسبِ ذیل ہیں:

۱۔ خواجہ ولایت حسین صاحب صفیر انبالوی
۲۔ رئیس التجار سیٹھ فدا علی ملّا علی بھائی صاحب
۳۔ افسر الشعراء مولانا منظور احمد صاحب افسر صدیقی امروہوی

''مشاعرہ کمیٹی'' انجمن ترقی اُردو (سندھ) کراچی کی پچیس سالہ رپورٹ جو انجمن کی سلور جوبلی منعقدہ ۲۲/۲۳/۲۴، ۱۹۷۰ء میں پڑھی گئی، رضا ہمدانی نے اس کتاب میں ''سندھ اور اُردو'' کے نام سے ایک مضمون لکھا میں وہ لکھتے ہیں کہ:

> ''۱۹۲۷ء کا سال انجمن کے لیے بہت زیادہ نیک سال رہا کیوں کہ اس سال میں انجمن کو قدرت نے ایک ایسا مخلص عطا فرمایا جس نے انجمن کی سرگرمیوں میں خاص اضافہ کیا۔ میری مراد مولانا منظور احمد صاحب افسر صدیقی امروہوی سے ہے جن کی مساعی حسنہ سے آج انجمن کی پچیس سالہ جوبلی منائی جارہی ہے جو سندھ کی تاریخ میں ایک عدیم النظیر تاریخی اجتماع ہے۔''[۸]

طبعاً اور اخلاقاً افسر امروہوی خلق و کرم کا نمونہ تھے ان کے مزاج میں متانت اور سنجیدگی کا بھی دخل تھا۔ افسر امروہوی کو تمام اصنافِ سخن میں پوری دسترس حاصل تھی۔ علمِ عروض اور تاریخ گوئی کے خاص ماہر تھے۔ افسر امروہوی نے اپنے مجموعوں کے نام بھی تاریخی رکھے۔ مادہ ہائے تاریخ کے نکالنے اور ان کو شعری قالب میں ڈھالنے میں افسر امروہوی کو جو ملکہ حاصل تھا وہ واقعی حیران کن ہے۔ ان کے دوست احباب، شاگرد اور اہلِ غرض جب تاریخ کے لیے آتے تھے تو جس عجلت سے قطعات تاریخ ان کو لکھ کر دیتے وہ ان کے لیے حیرت و انبساط کا باعث ہوتے۔ اور دل ہی دل میں ان کی قادر الکلامی کو بہ نظرِ استحسان دیکھتے ہوئے رخصت ہو جاتے۔

افسر امروہوی کا شمار مولوی عبدالحق قاضی عبدالودود اور مسعود حسن ادیب جیسے لکھنے والوں کی صف میں ہوتا ہے۔ وہ بلاشبہ اردو کے ایک زبردست محقق اور جیّد عالم تھے۔

ان کی مندرجہ ذیل تحقیقی کتب ہمارے سامنے آتی ہیں:

(قیامِ پاکستان کے وقت پاکستان میں اردو تحقیق مولوی محمد شفیع، ڈاکٹر سیّد عبداللہ اور ڈاکٹر عندلیب شادانی وغیرہ کی کاوشوں کے تحت ارتقا پذیر تھی۔ یہ بزرگ قیامِ پاکستان سے قبل تحقیق کی دنیا میں معتبر حیثیت حاصل کر چکے تھے۔ قیامِ پاکستان کے کچھ عرصے بعد تک تحقیق کا سلسلہ ایک حد تک منتشر رہا۔ اس عبوری مدت

میں یہی بزرگ اردو تحقیق کے اس تسلسل کو اپنی ذاتی کاوشوں کے ذریعے قائم رکھنے میں کامیاب رہے۔ جو قیامِ پاکستان کے وقت قریب قریب ٹوٹ چکا تھا کیوں کہ تحقیق کے صبر آزما عمل میں جن سہولتوں اور مآخذ کے ذخیروں کی ضرورت ہوتی ہے وہ تقسیمِ ہند کے سبب اور اس کے انتشار کے باعث یہاں میّسر نہ تھے۔ بھارت میں تحقیق کا کوئی تسلسل ٹوٹ نہ سکا تھا وہاں کا معاشرہ مستحکم تھا مستحکم رہا۔

پاکستان میں معاملہ اس کے برعکس تھا۔ یہاں محض ڈھاکا اور پنجاب کی جامعات کے کتب خانوں کے علاوہ پنجاب پبلک لائبریری، (لاہور)، ریکارڈ آفس، (لاہور) اور ''پشاور محفوظات'' (آرکائیوز) تھے یہی وجہ ہے کہ صرف لاہور میں تحقیقی روایت برقرار رہی اور اورینٹل کالج کے اساتذہ اور اس کا مجلّہ اورینٹل کالج میگزین، اس تسلسل کو برقرار رکھنے میں نہایت اہم کردار ادا کرتا رہا۔ بعد میں نئی نئی جامعات کے قیام کے ساتھ ساتھ ان میں کتب خانے قائم ہوئے۔ انجمن ترقی اردو کا کتب خانہ بھارت سے کراچی منتقل ہوا پھر کراچی کا محفوظات (آرکائیوز) اور قومی عجائب گھر اور لاہور کا عجائب گھر تہذیبی و علمی ورثے کے اہم مراکز بن گئے۔ جن میں خصوصاً کراچی کے عجائب گھر کا کتب خانہ اپنے مخطوطات اور نوادرات کے سرمائے کے لحاظ سے بہت دقیع اور اہم ہے۔ اس کے علاوہ سرکاری امداد و اعانت سے قائم ہونے والے ادارے اور اکادمیاں بھی مآخذ کی جمع و ترتیب میں مصروف ہوئیں۔

ان اداروں میں محفوظ مخطوطات و نوادرات محققین کے لیے نہایت اہمیت رکھتے ہیں اور یہ تحقیق کے فروغ کا اہم وسیلہ ہیں۔ ان کی معلوماتی اور وضاحتی فہرستوں کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ جو قیامِ پاکستان سے قبل شروع ہو چکا تھا۔ کتب خانہ جامعۂ پنجاب کے مخطوطات کی فہرست کی پہلی جلد ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی تھی دوسری جلد ۱۹۴۸ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد پنجاب پبلک لائبریری نے اپنے مخطوطات کی فہرستیں شائع کیں۔ پھر کتب خانۂ جامعہ پنجاب کے دیگر دفاتر: ذخیرہ محمود شیرانی اور ذخیرۂ مولوی محمد شفیع کی فہرستیں شائع ہوئیں۔ ذخیرۂ شیرانی کے مخطوطات کی فہرست کی تین جلدوں (لاہور، ۱۹۶۸ء۔۱۹۷۳ء) کے علاوہ اس کے مرتب ڈاکٹر محمد بشیر حسین نے ''مخطوطات ذخیرۂ شیرانی'' کا ایک جائزہ تحریر کیا تھا۔ لیکن ایک نوجوان محقق سیّد عارف نوشاہی نے ۱۹۶۸ء سے ۱۹۸۱ء کے درمیان شائع ہونے والی متعدد نئی فہارس مخطوطات و مطبوعات کی مدد سے مذکورہ بالا فہرست پر دوبارہ اجمالی نظر ڈالی ہے۔ اور بعض مزید نسخوں کی نشاندہی کر کے اس کو مزید مفید بنایا ہے۔ کتب خانۂ جامعۂ پنجاب میں موجود مائیکروفلم اور آٹوگراف کی کتابیات بھی شائع ہو گئی ہیں۔

اس عرصے میں یورپی ممالک کے کتب خانوں میں موجود اردو مخطوطات اور نوادرات کی فہرستیں اور وہاں کے مخطوطات و نوادرات کے تحقیقی جائزے بھی شائع ہوئے۔ لیکن فہرستِ مخطوطات کے ضمن میں صرف

ایک فہرست ''مخطوطات پیرس'' (کراچی) ۱۹۶۷ء کا ذکر ضروری ہے۔ جسے ایک پاکستانی مصنف ڈاکٹر آغا افتخار حسین نے پیرس کے کتب خانوں میں موجود اردو فارسی اور پنجابی کے مخطوطات کے تذکرے پر مشتمل مرتب کیا۔

ان فہرستوں سے قطع نظر یہاں ان فہرستوں کا ذکر ضروری ہے جو اس اعتبار سے اہم ہیں کہ یہ صرف مخطوطات کے تذکرے پر مشتمل نہیں، بلکہ ان میں تصنیف اور صاحبِ تصنیف پر بھی تحقیقی نظر ڈالی گئی ہے اور اس طرح اضافی تحقیقی معلومات یکجا کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک فہرست ''مخطوطات انجمن ترقی اردو'' ہے جو انجمن کے کتب خانے کے ذخیرۂ مخطوطات کے مفصل جائزے پر مشتمل ہے۔ ان کے مرتبین سیّد سرفراز علی رضوی اور افسر امروہوی ہیں جنھوں نے خاصی محنت اور دقتِ نظر سے مخطوطات اور ان کے مصنفین کے بارے میں معلومات یکجا کی ہیں۔ اس فہرست کی اب تک چھے جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

افسر امروہوی ادبی حلقوں میں بڑی شہرت کے مالک تھے۔ افسر امروہوی رواداری، حسن اخلاق اور فراخ دلی کا ایک درخشاں باب تھے۔ وہ طلبہ اور تشنگانِ علم کی زبانی اور عملی رہبری کو اپنا فریضہ سمجھتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ:

''علم دوسروں تک پہنچانے کے عمل کا نام ہے اور اس میں بخل اہلِ علم کی پیشانی کا داغ ہے۔'' 9

تحقیق اور شاعری ان کی زندگی کے درخشاں کارنامے ہیں اور رہیں گے۔ ان کی موت سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس کا پُر ہونا مشکل ہے۔ ؎

مرنے والے تجھے روئے گا زمانہ برسوں

افسر امروہوی ایک معتبر محقق کی حیثیت سے احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ ادب پر گہری نظر رکھتے تھے، دکنی ادب پر بالخصوص ان کا مطالعہ غیر معمولی تھا نظم ونثر میں متعدد تصانیف وتالیفات افسر امروہوی کی علمی وادبی یادگار کی سی حیثیت رکھتی ہیں، جو ادب کا گراں مایہ سرمایہ ہیں۔

۲۔ مصحفی حیات وکلام:

مصحفی کے حالات، شخصیت اور شاعری پر گزشتہ ادوار میں مختلف نوعیّتوں سے کام ہوتا رہا اور ایک ضخیم کلیات بھی شائع ہوا، مولانا حسرت موہانی کا انتخاب منظر عام پر آیا، اس انتخاب کو فراق گورکھپوری نے ایڈٹ کیا۔ اس کی اشاعت لاہور سے ہوئی، کلامِ مصحفی سے متعلق ڈاکٹر ابواللیث صدیقی اور قاضی ظہور الحسن سیوہاروی اور ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے رسالے بھی خصوصی افادیت کے حامل ہیں۔ مصحفی کی ایک مشہور مثنوی ''بحر المحبت'' مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے مبسوط مقدمے کے ساتھ پہلی بار اہلِ نظر کی نظر سے گزری۔ تذکرہ مصحفی کے